Scholar Insight Journal ***HEC PAKISTAN Y Category***
https://scholarinsightjournal.com/ ONLINE - ISSN- 3006-9785
Volume.3, Issue.2 (June-2025) PRINT - ISSN- 3007-245X

The National and revolutionary poetry of Josh Maleh Abadi

جوش ملیح آبادی کی قومی وانقلابی شاعری

Dr. Mubashir Hussain
Associate Professor,
Govt. Associate College Phalia.
mubashirnike0@gmail.com

Abstracts

Josh Malihabadi stands as one of the most powerful and dynamic voices of revolutionary poetry in the Subcontinent. His poetic temperament is marked by intensity, courage, and defiance, reflecting the turbulent political and social conditions of his time. During the freedom movement and the struggle that eventually led to the creation of Pakistan, his poetry emerged as a forceful expression of resistance, awakening national consciousness and inspiring collective action. His verses, charged with emotional strength and ideological clarity, resonated widely and became symbols of rebellion against oppression.

The essence of Josh Malihabadi's poetry lies in its strong national spirit. He skillfully integrates themes of patriotism with vivid imagery drawn from nature, using natural symbols to reinforce ideas of freedom, strength, and renewal. Alongside this, he addresses the socio-economic hardships endured by the masses, giving voice to their pain, aspirations, and determination. Despite highlighting suffering and injustice, his poetry does not succumb to despair; rather, it consistently projects hope, resilience, and faith in a better and more dignified future.

Josh's revolutionary vision extended beyond mere protest. His poetic style, marked by powerful diction, rhythmic force, and intellectual depth, set new standards for national and revolutionary expression in Urdu poetry. As a result, his influence was not limited to his contemporaries alone. Subsequent generations of poets drew inspiration from his bold thematic choices and expressive strength. Consequently, Josh Malihabadi's poetry occupies a lasting place in literary history as a vital source of nationalist consciousness, revolutionary thought, and artistic resistance.

Keywords: Nationalism, Revolutionary Poetry, Josh Malihabadi, Freedom Movement, Patriotism, Socio-Economic Challenges, Hope, Resistance

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

تعارف

ہندوستان میں برطانوی سامراجی حکومت کے خلاف برصغیر کے عوام کو بیدار کرنے کے حوالے سے جن علمی وادبی شخصیات نے انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے ابتدائی و درمیانی عرصے میں اہم تاریخی کردار ادا کیا ان میں جوش ملیح آبادی کا نام انتہائی ممتاز اور منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ جوش نے اپنی انقلابی اور باغیانہ شاعری کے ذریعے سے برطانوی استعماریت کے ایوان پر گولہ باری کا سلسلہ حصول آزادی تک مسلسل جاری رکھا۔ برصغیر کی جدوجہد آزادی کے کاروان کے لیے جوش کی انقلابی نظمیں، مجاہدین آزادی کے لیے حدی کا ساماں مہیا کرتی نظر آتی ہیں۔ گو اس حدی خوانی کی پاداش میں جوش کو بارہا انگریز کی نگاہ عتاب کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن ان کے جذبہ ء حریت کے تلاطم میں کمی واقع نہ ہو سکی۔ اگر ہندوستان کی تحریک آزادی کے حوالے سے اردو شاعری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ بیسویں صدی میں جوش کی انقلابی لےَ اپنے معاصرین سے نہ صرف منفرد بلکہ بلند آہنگ تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ جوش کی ولولہ انگیز انقلابی وسیاسی شاعری کو ہندوستان میں ایسی شہرت ملی جو علامہ اقبال کے بعد فیض کے علاوہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ جوش کی قومی شاعری کے موضوعات میں اگرچہ بڑا تنوع ہے لیکن حب الوطنی، مناظرِ فطرت کی عکاسی ،اہل وطن کی حالتِ زار، جذبہ ء حریت وبغاوت اور سامراج سے نفرت کے رنگ زیادہ نمایاں ہیں۔ وطن سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار جوش نے اپنی نظم "صدائے بیداری" میں اس طرح کیا ہے:

یہ مانا سرزمین ہند پر نکہت برستی ہے — زبانوں پر حدیث روح ہے فکروں میں پستی ہے
مگر راتوں کو جب فکر وطن میں سر جھکاتا ہوں — فضائے سرد میں دھیمی سی ایک آواز پاتا ہوں
یہ آواز اس لطافت سے میرے کانوں میں آتی ہے — صبا جس طرح زیر شاخ سنبل گنگناتی ہے
فضا میں جس طرح روح الامیں کی بال جنبانی — برستا ہے کہیں کچھ دور خواب میں پانی
جگاتی ہے سحر جس ناز سے نغموں کو دریا میں — ہوا کی سنسناہٹ جس طرح گنجان صحرا میں
پڑا ہوا ہوں زنجیر سے دکن کی — سینے میں آرزو ہے بچھڑے ہوئے وطن کی
شاداب تو ہیں میرے بچپن کی سیر گاہیں — اب ڈھونڈتی ہیں جن کو ترستی ہوئی نگاہیں
کیوں میرا سوز فرقت — تم کو جلا رہا ہے کیوں مضطرب ہو نہرو وہ دن بھی آرہا ہے
جس دن دھڑکنے والے دل کو قرار ہوگا — سائے میں جب تمہارے میرا مزار ہوگا[۲]

جوش کو اپنے وطن کی سرزمین سے گہرا لگاؤ تھا ملیح آباد سے بچھڑتے ہوئے انہوں نے جو نظم کہی اس میں ان کی گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے:

اے ملیح آباد کے رنگین گلستاں الوداع الوداع اے سرزمین صبح خنداں الوداع

الوداع اے کشور شعر و شبستاں الوداع الوداع اے جلوہ گاہ حسن جاناں الوداع

تیرے گھر سے ایک زندہ لاش اٹھ جانے کو ہے آ گلے مل لیں کہ اک آواز جرس آنے کو ہے

آ کلیجے میں تجھے رکھ لوں میرے قصر سحر اس کتاب دل کے ہیں اوراق تیرے بام و در

جارہا ہوں تجھ میں کیا کیا یادگاریں چھوڑ کر آہ ! کتنے طور خوابیدہ ہیں تیرے بام پر

روح ہر شب کو نکل کر میرے جسم زار سے آکے سر ٹکرائے گی تیرے در و دیوار سے

کلسے کون اس باغ کو رنگیں بنانے آئے گا کون پھولوں کی ہنسی پر مسکرانے آئے گا

کون اس سبزے کو سوتے سے جگانے آئے گا کون ان پودوں کو سینے سے لگانے آئے گا

کون جائے گا قمر کے ناز اٹھانے کے لیے چاندنی راتوں کو زانوں پر سلانے کے لیے

آ گلے مل لیں خدا حافظ گلستان وطن اے امانی گنج کے میداں، اے جان وطن

الوداع اے لالہ زار سنبلستان وطن السلام ! اے صحبت رنگیں یاران وطن

حشر تک رہنے نہ دینا تم دکن کی خاک میں دفن کرنا تم اپنے شاعر کو وطن کی خاک میں [۳]

اپنے وطن کو غیروں کے ہاتھوں غلام دیکھ کر جوش کا جذبہ حمیت و حریت جس طرح بیدار ہوتا ہے اس کا اظہار انھوں نے اپنی نظم ’’ شاعر ہندوستان‘‘ میں اس طرح کیا ہے:

زندہ مردوں کی ہے بستی کون سنتا ہے یہاں تا بہ کے چیخا کروں ہندوستاں ہندوستاں

اک نظر بھی قدر دان جوہر قابل نہیں ہند کے اجڑے ہوئے سینے کے اندر دل نہیں

وہ جماعت شرم سے نام اپنا لے سکتی نہیں ایڈریس سی چیز جو شاعر کو دے سکتی نہیں

آہ ! اے ٹیگور تو کیوں ہند میں پیدا ہوا سچ بتا تو کس ادائے ملک پر شیدا ہوا

اس جگہ تو کانپتی ہیں قبر کی پرچھائیاں زندگی غائب ہے مردے سانس لیتے ہیں یہاں

جہل کا دریا ہے اور ناقدریوں کی لہر ہے شاعر ہندو ستا ں ہونا خدا کا قہر ہے [۴]

جوش نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے جذبہ شہادت، حریت اور عظمت کو اپنی نظم ’’ ایک شہید وطن کی یاد‘‘ میں اس طرح قلم بند کرتے ہیں:

اے بہادر اے شہید خنجر ارباب کیں جان جو اس شان سے دیتا ہے وہ مر سکتا نہیں

پڑ رہی ہے اس طرح گردن میں پھانسی کی گرہ　　کھل رہا ہے اس طرف آغوش فردوس بریں

نوجوانو توڑ ڈالو سبحہ و زنار کو　　تا کجا یہ احمقانہ دار و گیر و کفر دیں

نوجوانو عشق کو درکار ہے مجنوں کا دل　　تابے کے یہ عشوہ ہائے لیلیٰ محمل نشیں

نوجواں خون جینے کے لیے تھوڑا سا خون　　خون کی پیاسی ہے مدت سے وطن کی سرزمیں

پوچھے اب تم سے اگر کوئی کہ ہیں جانیں عزیز　　یک زباں ہو کر پکار اٹھو نہیں ہر گز نہیں [۵]

۱۹۱۸ء میں لکھی گئی نظم بعنوان "وطن" میں جوش وطن سے گہری عقیدت اور اس کے تحفظ میں مر مٹنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے وطن جوش ہے پھر قوت ایمانی میں　　خوف کیا دل کو سفینہ ہے جو طغیانی میں

ہم زمیں کو تیری ناپاک نہ ہونے دیں گے　　تیرے دامن کو کبھی چاک نہ ہونے دیں گے

تجھ کو جیتے ہیں تو غم ناک نہ ہونے دیں گے　　ایسی اکسیر کو یوں خاک نہ ہونے دیں گے

جی میں ٹھانی ہے یہی جی سے گزر جائیں گے　　کم سے کم وعدہ یہ کرتے ہیں کہ مر جائیں گے [۶]

جوش وطن پرستی کے سلسلے میں بڑی بیدار مغزی کا ثبوت دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ فطرت کی مہربانیوں کو بھی وطن دوستی کا ہی ایک حصہ مانتے ہیں اسی لیے انھوں نے ایسی کئی نظموں کی تخلیق کی ہے جس میں ہندوستان میں موجود فطری مناظر کی بڑی واضح صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ فطرت کی کرم فرمائیوں پر وہ جھوم جھوم اٹھتے ہیں یہاں تک کہ وہ صبح کو رسول کا درجہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لیے　　اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی [۷]

جوش ہندوستان کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے حسن کو اپنی نظموں کا موضوع بناتے ہیں، کہیں وہ مناظر صبح شام میں ڈوب جاتے ہیں تو کہیں پرندوں کی خوبصورت آوازوں میں محو ہو جاتے ہیں، کبھی وہ ساون کے مہینوں کو حاصل حیات سمجھتے ہیں تو کبھی شب ماہ اور ساون کی بہاروں اور برسات میں ابھری شفق اور بدلی کے چاند سے اپنے آسودہ دل کو منور کرتے ہیں۔ وہ فطرت کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے خزانے کا منہ ان کے ملک کے لیے کھول دیا ہے۔ جوش نے کائنات اور فطرت سے متعلق مناظر سے والہانہ لگاؤ کا جو اظہار کیا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی گہرا فلسفہ یا کوئی کائناتی نظریہ شامل نہیں بلکہ وہ اسے بھی نسوانی حسن کا ایک ایسا پہلو سمجھتے ہیں جس میں گم ہو کر عشق کی تسکین حاصل ہو اور ذوق جمال کی تکمیل کی جا سکے۔" جامن والیاں" ،"جنگل کی شہزادی"، "کوہستان دکن کی عورت" ان کی ایسی نظمیں ہیں جن میں موجود عورت اپنے سارے مشرقی وقار کے

ساتھ ساتھ دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح ان کی نظمیں ''جمنا کے کنارے''، ''گنگا گھاٹ پر ''اور'' گرمی اور دیہاتی بازار'' ہندوستان کی زندہ روایات کی عکاسی کرتی ہیں۔ آخرالذکر نظم کے درج ذیل اشعار دیکھیے جن میں انھوں نے اپنے زور قلم سے ایک خوبصورت منظر کو کس قدر موثر بنادیا ہے:

دوپہر بازار کا دن گاؤں کی خلقت کا شور خون کی پیاسی شعاعیں روح فرسالو کا زور
آگ کی رو، کاروباری زندگی کا پیچ وتاب تند شعلے، سرخ ذرے، گرم جھونکے، آفتاب
ماؤں کے کاندھے پہ بچے گردنیں ڈالے ہوئے بھوک کی آنکھوں کے تارے پیاس کے پالے ہوئے
بام و در لرزے ہوئے خورشید کے آفات سے ہر نفس اک آنچ سی اٹھتی ہوئی ذرات سے
مرد و زن گردش میں چیلوں کی صدا سنتے ہوئے چلچلاتی دھوپ کی رو میں چنے بھنتے ہوئے
میان سے موسم کی تیغ بے اماں نکلی ہوئی پیاس سے انسان و حیواں کی زبان نکلی ہوئی
لو کے مارے بام و در کی روح گھبرائی ہوئی دوستوں کی شکل پر بے گانگی چھائی ہوئی
سر پر کافر دھوپ جیسے روح پر عکس گناہ تیز کرنیں جیسے بوڑھے سودخوروں کی نگاہ[۸]

جوش اپنی ایک اور نظم ''کسان'' میں جہاں علی الصبح کھیتوں کی طرف کسان کی روانگی، چلچلاتی دھوپ میں اس کی محنت کشی، شام ڈھلے گھر کی طرف اس کی واپسی، راستے اور پگڈنڈیوں کا حسن، طیور کی اڑان، پھولوں کی رنگت، شفق کی لالی کا ذکر کرتے ہیں وہاں ہندوستان کی پاکیزہ تہذیب اور جان لیوا غربت کی ایسی منظر کشی کرتے ہیں کہ قاری کا دل بھر آتا ہے اور اس طرح بھی ہمیں جوش کی اپنے وطن سے گہری محبت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس نظم کے کچھ اشعار ملاحظہ کیجیے:

یہ سماں اور اک قوی انسان یعنی کاشتکار ارتقا کا پیشوا تہذیب کا پروردگار
سرنگوں رہتی ہیں جس سے قوتیں تقریب کی جس کے بل بوتے پر لچکتی ہے قمر تہذیب کی
ہل پہ دہقاں کی چمکتی ہیں شفق کی سرخیاں اور دہقاں سر جھکائے گھر کی جانب ہے رواں
پھر رہا ہے خونچکاں آنکھوں کے نیچے بار بار گھر کی ناامید دیوی کا شباب سوگوار
سیم و زر، نان و نمک، آب و غذا کچھ بھی نہیں گھر میں ایک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں
ایک دل اور یہ ہجوم سوگواری ہائے ہائے یہ ستم اے سنگ دل سرمایہ داری ہائے ہائے[۹]

جوش کی شاعری کا جو تجزیہ پروفیسر سید احتشام حسین نے کیا ہے اس پر ان کی شاعری پوری اترتی ہے:

'' وہ اپنی شاعری کو ملک کی ترقی پذیر قوتوں سے ہم آہنگ کر دینا چاہتے ہیں، فرض اور جنگ میں کبھی

فرض کی جیت ہوتی ہے کبھی محبت کی اور یوں جوش کی شاعری کا کارواں طوفانوں سے کھیلتا، گلستانوں میں گل گشت کرتا، آندھیوں سے لڑتا، نسیم سحر کے جھونکوں میں ٹھہرتا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔"[۱۰]

جوش کی قومی شاعری کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے وطن پرستی کو انسانیت پرستی کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کی ہے مگر اسی کے ساتھ وہ سرمایہ داری اور فرنگی حکومت نیز وطن سے غداری کرنے والوں پر اپنے غیظ وغضب کی بجلیاں گرانے سے نہیں چوکتے، غداران وطن سے وہ اس طرح مخاطب ہوتے ہیں:

قبر تیری ٹھوکریں کھاتی رہے گی حشر تک   پھول اپنے روک لے گی نرم شاخوں کی لچک
تو پکارے گا کوئی حاکم مجھے آکر بچائے   رعد گرجے گا کہ اب یہ بے حیا بچ کر نہ جائے
تیری مستورات کا بازار میں ہو گا قیام   معرض دشنام میں تیرا لیا جائے گا نام
قوم کا دل ہے تیرے ہونٹوں کے اندر پاش پاش   دوش پر ہے تیرے لہجے کے تری غیرت کی لاش
ہو چکے ہیں مشورے تیری فنا کے واسطے   جاگ اٹھ اب بھی سویرا ہے خدا کے واسطے[۱۱]

جوش کی نظموں میں حب الوطنی کا تصور جذباتیت سے لبریز ہے اس سلسلے میں انہوں نے اپنے وطن سے گہری عقیدت اور لگاؤ کا اظہار کئی صورتوں میں کیا ہے۔ وہ جہاں ایک طرف ہندوستان کی عظمت کے قائل ہیں وہیں دوسری طرف اس کی غلامی اور سماجی انتشار پر بھی سخت برہمی کا اظہار کرتے ہیں۔ انھیں اس بات کا احساس ہمیشہ ستاتا تھا کہ ان کے ملک کی ساری دولت غیروں کے ہاتھوں لوٹی جارہی ہے اور اہل وطن اپنے تساہل، بے مائیگی اور بے بسی کی وجہ سے خاموش تماشائی کی طرح ہر ظلم کو برداشت کر رہے ہیں۔ اسی لیے وہ ہندوستان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے روح عصر حاضر ہندوستان نو   لایا ہے ایک صحیفہ سخنداں تیرے لیے
اس مصحف عظیم کی اللہ رے وسعتیں   ہر مد ہے مشرقین بداماں تیرے لیے
ہر منظر حیات کو دیکھا ہے غور سے   چھوڑا نہیں ہے ایک بھی عنواں تیرے لیے
رکتی ہے جس مقام پر روح الامیں کی سانس   دل کو وہاں کیا ہے پرافشاں تیرے لیے
لایا ہوں بزم و رزم کی ارض تضاد سے   یہ طبل جنگ و ساز شبستاں تیرے لیے
کتنی شبوں کی تاک میں رکھ کر چراغ دل   پرکھی ہے روح عالم امکاں تیرے لیے
ڈھالے ہیں مرغزار و گلستاں کی شکل میں   کتنے مہیب و تیرہ بیاباں تیرے لیے
کس کو خبر تراش کے کن ظلمتوں کا دل   لایا ہوں یہ چشمہ حیواں تیرے لیے

تعمیر کے ترازوے نرم و نہفتہ میں   تولے ہی کتنے خواب پریشاں تیرے لیے
کیا پوچھتا ہے جوش کی بربادیوں کا حال   پرزے ہیں کب سے جیب و گریباں تیرے لیے[۱۲]

جوش نے ہندوستانیوں میں ولولہ اور امنگ پیدا کرنے کی جو کوشش کی اس کے دو اسباب تھے پہلا تو یہ کہ ان کا تعلق درہ خیبر کے آفریدی پٹھانوں کے قبیلہ علی خیل سے تھا جو بڑا جنگجو قبیلہ تھا جس کا اعتراف انہوں نے اپنی تصنیف ''یادوں کی برات'' میں کئی جگہ کیا ہے دوسرے ان کے عہد میں انگریزوں کی ستم کاریاں اور جبریت انتہا کو پہنچ چکی تھی، ان مظالم کے آگے سر جھکانا جوش کو گوارا نہ تھا اسی لیے انہوں نے ان تمام مردہ دل ہندوستانیوں سے طنزیہ لہجے میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

نہنگوں کا سمندر ہوں، درندوں کا بیاباں ہوں   عدوں سے کیا غرض اپنوں ہی سے دست و گریباں ہوں
خدا کے فضل سے بدبخت ہوں، بزدل ہوں ناداں ہوں   مری گردن میں ہے طوق غلامی پابجولاں ہوں
در آقا پہ سر ہے قفس برداری پہ نازاں ہوں[۱۳]

جوش کے زمانے تک انگریزوں کے خلاف کھل کر آواز اٹھانے والا طبقہ پیدا ہو چکا تھا جو انتہا پسند طبقہ کہلاتا تھا، جوش ذہنی طور پر اس طبقہ کے پیروکار تھے اور اس کی حمایت کرتے تھے اسی لیے ان کی نوکِ قلم پر اس قسم کے اشعار آنے لگے:

جن سے امیدوں میں بجلی آگ ارمانوں میں ہے   اے حکومت کیا وہ شے اس میز کے خانوں میں ہے
بند پانی میں سفینے کھے رہی ہے کس لیے   تو مرے گھر کی تلاشی لے رہی ہے کس لیے
گھر میں درویشوں کے کیا رکھا ہے بدنہاد   آ میرے دل کی تلاشی لے کہ بر آئے مراد
جس کے اندر دہشتیں پر ہول طوفانوں کی ہوں   لرزاں افگن آندھیاں تیرہ بیابانوں کی ہوں
جس کے اندر ناگ ہیں اے دشمن ہندوستاں   شیر جس میں ہو نکتے ہیں کوندتی ہیں بجلیاں
چھوٹتی ہیں جس سے نبض افسر دارژ نگ کی   جس میں ہے گونجی ہوئی آواز طبل جنگ کی
جس کے اندر آگ ہے دنیا پہ چھا جائے وہ آگ   نار دوزخ کو پسینہ جس سے آ جائے وہ آگ
موت جس میں دیکھتی ہے منہ اس آئینے کو دیکھ   میرے گھر کو دیکھتی کیا ہے میرے سینے کو دیکھ[۱۴]

جوش اسی انقلابی تصور کو مزید توسیع دینے کے لیے ایسی نظموں کی تخلیق کرتے رہے جن میں انقلاب کی گھن گرج صاف طور پر سنائی دیتی ہے، مثال کے طور پر ان کی نظم'' نعرہ شباب'' کے یہ اشعار دیکھیے:

کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب   میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب
کوئی قوت راہ سے مجھ کو ہٹا سکتی نہیں   کوئی ضربت میری گردن کو جھکا سکتی نہیں

پیٹ کے بل نہ سزا پنجاب میں رینگتی تھی تو — تیری اس بے غیرتی پر گرم ہے اب تک لہو
ابن آدم اور رینگے خاک پر اللہ رے قہر — سانپ کا اس رینگنے سے آگیا ہے مجھ میں زہر
پو پلے منہ ختم کر یہ عاقبت اندیش بنی کا شور — دیکھ اب بزدل ناعاقبت بنی کا زور
ولولے میرے بڑھیں گے ناز فرماتے ہوئے — فرقہ بندی کا سر ناپاک ٹھکراتے ہوئے
ڈال دوں گا طرح نوا جمیر اور پریاگ میں — جھونک دوں گا کفر وایماں کو دہکتی آگ میں
\ایک دین نو کی لکھوں گا کتاب زرفشاں — ثبت ہو گا جس کی زریں جلد پر ہندوستاں[۱۵]

یا پھر ان کی مشہور نظم ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے کے یہ اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں:

کیا کہا انصاف ہے انساں کا فرض اولیں — کیا فساد و ظلم کا اب تم میں کس باقی نہیں
دیر سے بیٹھے ہو نخل راستی کی چھاؤں میں — کیا خدا نہ کردہ موچ آگئی ہے پاؤں میں
گونج ٹاپوں کی آبادی نہ ویرانے میں ہے — خیر تو ہے اسپ تازہ کیا شفا خانے میں ہے
آج کل تو ہر طرف میں رحم کا انداز ہے — کچھ طبیعت کیا نصیب دشمناں ناساز ہے
سانس کیا اکھڑی کہ حق کے نام پر مرنے لگے — نوع انساں کی ہوا خواہی کا دم بھرنے لگے
ظلم بھولے راگنی انصاف کی گانے لگے — لگ گئی ہے آگ کیا گھر میں کہ چلانے لگے
مجرموں کے واسطے زیبا نہیں کچھ شور وشین — کل یزید و شمر تھے اور آج بنتے ہو حسین
خیر اے سودا گرواب ہے تو بس اس بات میں — وقت کے فرمان کے آگے جھکادو گردنیں
اک کہانی وقت لکھے گا نئے مضمون کی — جس کی سرخی کو ضرورت ہے تمہارے خون کی
وقت کا فرمان اپنا رخ بدل سکتا نہیں — موت ٹل سکتی ہے اب فرمان ٹل سکتا نہیں[۱۶]

ان کی ایک اور مشہور نظم بعنوان'' وفاداران ازلی کا پیغام شہنشاہ ہندوستان کے نام'' کے درج ذیل اشعار بھی اسی جذبے کی عکاسی کرتے ہیں:

نوجوان کرتے ہیں سرگوشیاں پیکار کی — صاف آتی ہے صدا چلتی ہوئی تلوار کی
آپ کے ایواں میں رقصاں ہیں لپٹیں عود کی — ہندیوں کی سانس سے آتی ہے صدا بارود کی
غور سے سن لیجیے اے خواجہ عالی نژاد — آپ کو دھوکے میں رکھ سکتے نہیں ہم خانہ زاد
کیجیے درماں میں عجلت ورنہ دل ڈر جائیں گے — حاکم اپنے گھر چلے جائیں گے ہم مر جائیں گے

چونکیے جلدی ہوائے تند و تیز آنے کو ہے ذرہ ذرہ آگ میں تبدیل ہو جانے کو ہے[۱۷]

جوش انقلاب کے تصور کو انتہائی شدت کے ساتھ پیش کرنے میں بڑی حد تک جذباتیت کی حدوں کو بھی چھونے لگتے ہیں۔ان کا یہ رویہ اس لیے اپنے وقت کی آواز بن گیا تھا کہ ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو برمانے کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔جوش نے اس فرض کو پورا کیا اور اس کمال کے ساتھ پورا کیا کہ ان کی بیشتر نظمیں اسلوب بیان کی وجہ سے دلوں کو مسحور کر لینے میں پوری اتریں۔جوش الفاظ کا جادو چلانے میں اس قدر ماہر تھے کہ انھیں ناقدین الفاظ کا شہنشاہ کہنے پر مجبور ہو گئے مگر جوش نے لفظوں کی گھن گرج میں اپنی سوچ کو کہیں بھی سطح سے نیچے نہیں آنے دیا بلکہ بے باک ہو کر اپنے عہد کے تمام اہم تقاضوں کو اپنی نظموں میں سمو دیا۔ان کے بیان میں بھونچال کی سی کیفیت اسی لیے پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ نرم روی پر مشتمل شاعری انگریزوں کی چولیں ہلانے میں زیادہ موثر ثابت نہیں ہو سکی،اسی لیے انہوں نے اپنی سوچ کو بڑی حد تک جارحانہ انداز بیاں میں ڈھالنے کا عزم کیا اور ان کا یہ رویہ اپنے عہد کے ایک نئے ادبی اور شعری تقاضے کی شکل میں کامیابی کی منزلوں کو چھوتا دکھائی دینے لگا، جس میں شعری حسن اور ادبی وقار کی تمام اعلیٰ صورتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔اس کی بڑی موثر مثال ہمیں ان کی ایک مشہور نظم ''سرود و خروش'' میں دیکھنے کو مل جاتی ہے اس نظم کے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

وہ تازہ انقلاب ہوا آگ پر سوار وہ سنسنائی آگ وہ اڑنے لگے شرار

وہ گم ہوئے پہاڑ وہ غلطاں ہوئے غبار اے بے خبر وہ آگ لگی آگ ہوشیار

بڑھتا ہوا فضا میں قدم مارتا ہوا بھونچال آ رہا ہے وہ پھنکارتا ہوا[۱۸]

نظم ''شکست زنداں کا خواب'' میں جوش اپنے جذبات کو انتقام کی سرحدوں تک لے جا کر انگریزوں کی بربریت اور مظالم کے خلاف انتہائی تیز رد عمل کا اظہار کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ان کا یہ رویہ غالباً اس لیے بھی تھا کہ وہ انگریزوں کے خلاف اپنے اہل وطن کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔اسی یقین کے ساتھ انہوں نے اس نظم کی تخلیق کی تھی جس کے ذریعے وہ ہندوستانیوں کو ایک روشن مستقبل میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے تھے، ملاحظہ کیجیے اس نظم کے یہ اشعار جن میں جوش کے ولولے پورے شباب پر نظر آتے ہیں:

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے گونج رہی ہیں تکبیریں اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

دیواروں کے نیچے آ آ کر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی سینوں میں تلاطم بجلی کا آنکھوں میں چمکتی شمشیریں

بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں تقدیر کے لب کو جنبش ہے دم توڑ رہی ہیں

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

تدبیریں

کیاان کو خبر تھی ہونٹوں پر جو قفل لگایا کرتے تھے　　　اک روز اسی خاموشی سے ٹپکیں گی دہکتی تقریریں

سنبھلو کہ وہ زنداں گونج اٹھا، جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے　　　اٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں ، دوڑو کہ وہ ٹوٹی زنجیریں[۱۹]

جوش ملیح آبادی کا شمار ان شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے قومیت اور وطنیت سے اپنے رشتوں کو کسی نہ کسی صورت مستحکم رکھا۔ان کے عہد تک قومیت اور وطنیت کا مفہوم زیادہ بڑے کینوس پر دیکھا جانے لگا تھا۔جوش نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں عزیز لکھنوی کی شاگردی قبول کی اور رفتہ رفتہ ان کی شاعری میں جذباتیت کی عظمت اور رومان کی شدت داخل ہوتی گئی۔اس لیے ان کی شاعری انقلابیت اور شبابیت کا امتزاج بنتی چلی گئی اور وہ شاعر انقلاب و شاعر شباب کہے جانے لگے۔ان کے نظریہ حیات میں انسانی آزادی، انسانی عظمت ،انسان دوستی، قوت عمل اور ایک واضح تصور حیات دکھائی دیتا ہے۔انھوں نے اقبال کی طرح قنوطیت کو کبھی ابھرنے نہیں دیا بلکہ وہ انسان کو اپنے کمال فن اور بلندی تخیل کے ذریعے اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ ہمت اور حوصلے سے کام لے تو راہ کی ساری قدغنیں دور ہو سکتی ہیں۔جوش اپنی رومانی نظموں میں انتہائی باریک بینی اور شدید مشاہدہ سے کام لیتے ہیں جو کیف و سرور اور انبساط و سرگوشی کی علامت بن کر ساری کائنات کی سرشاری کا سبب بن جاتی ہے۔یہاں تک کہ ان کا انقلابی تصور بھی اسی سرشاری میں ڈھل جاتا ہے مثال کے طور پر جب وہ یہ کہتے ہیں:

کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب　　　میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب[۲۰]

تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سماجی تبدیلیوں میں بھی شبابیت کے تصور سے خود کو بچا نہیں پاتے لیکن اس کے باوجود جب وہ وطنیت اور قومیت کے تعلق سے انقلابیت کی بات کرتے ہیں تو ان کی شاعری سماجی مساوات ، قومی اتحاد، انسانی آزادی اور پیغام امن و آتشی کی مکمل تصویر بن جاتی ہے اور ان کی وہ واضح فکر کھل کھل کر سامنے آجاتی ہے جس کے تحت کسی صورت بھی انسان کا کسی بھی قید و بند کو اختیار کر لینا انھیں پسند نہیں تھا۔اس سلسلے میں ان کا خیال ہے کہ غلام انسان کی زندگی اس کی ساری صلاحیتوں کو رفتہ رفتہ ختم کر دیتی ہے اور ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب وہ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگتا ہے۔جوش کے عہد میں ہندوستانی غلامانہ اذیت کا بری طرح شکار تھے۔جوش انھیں جھنجوڑ کر بیدار کرنا چاہتے تھے اسی لیے ان کے لہجے میں قدرے سختی اور ترشی پیدا ہو چکی تھی جس کا اظہار انہوں نے اپنی ایک نظم ''غلاموں سے خطاب'' میں اس طرح کیا ہے:

اے ہند کے ذلیل غلامان روسیاہ　　　شاعر سے تو ملاؤ خدا کے لیے نگاہ

تجھ کو یقین نہ آئے گا اے دائمی غلام　　　میں جا کے مقبروں میں سناؤں اگر کلام
میرے رجز سے لرزہ براندام ہے زمیں　　　افسوس تیرے کان پر جوں رینگتی نہیں
تو چپ رہا زمین ہلی آسماں ہلا　　　تجھ سے تو کیا خدا سے کروں گا میں یہ گلا
ان بزدلوں کے حسن پہ شیدا کیا ہے کیوں　　　نامرد قوم میں مجھے پیدا کیا ہے کیوں [۲۱]

جوش قوم کی بیداری اور وطن کی آبرو کے تحفظ کی خاطر سماجی انقلاب کے خواہاں تھے، چنانچہ وہ انسان کو حسن عمل کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور سماجی غلامی کی سخت مخالفت کرتے ہوئے اپنی نظموں کے ذریعے اہل وطن میں ایسے ولولے پیدا کرنا چاہتے تھے جو قومی بیداری اور وطنی عقیدت کو تیز کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں اس سلسلے میں وہ اکثر بے حد جذباتی بھی ہو جاتے تھے، نظم ''بیدار ہو بیدار'' کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

تو نے روش خدمت اغیار نہ چھوڑی　　　اب تک رہ سنسبحہ وزنار نہ چھوڑی
آشفتگی رندک و بسیار نہ چھوڑی　　　افسوس ہے اے جنس غلامی کے خریدار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار [۲۲]

جوش اہل وطن کو بار بار زنجیر غلامی کو توڑنے کی تلقین کرتے ہیں اور انھیں شدت کے ساتھ احساس دلاتے ہیں کہ کوئی قوم اگر غلام رہ کر زندہ رہنا چاہتی ہے تو اس سے نادان کوئی دوسری قوم نہیں ہو سکتی۔ اس احساس کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

سنو اے بستگان زلف گیتی، ندا کیا آ رہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا ایک لمحہ ہے بہتر، غلامی کی حیات جاوداں سے [۲۳]

جوش بار بار اپنی قوم کو حالات کے مقابل آ کر ہمت اور حوصلے کے ساتھ جواں مردی کا ثبوت دینے پر اکساتے ہیں اور اس کے لیے وہ اپنی سوچ کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:

خواب کو جذبہ بیدار دیے دیتا ہوں　　　قوم کے ہاتھوں میں تلوار دیے دیتا ہوں [۲۴]

ڈاکٹر عبادت بریلوی جوش کی شاعری کے موضوعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' جوش اردو کے بہت بڑے شاعر ہیں ان کی شاعری بہت ہی وسیع اور ہمہ گیر متنوع اور رنگارنگ ہے وہ انسانی زندگی کے بہت بڑے پرستار ہیں۔۔انہوں نے انسان دوستی کا پیام دیا ہے ان کی انقلابی شاعری محض انقلابی شاعری نہیں ہے اس میں گہرے سماجی اور عمرانی شعور کا پتا چلتا ہے۔ اس انقلابی شاعری میں انہوں نے اجتماعی اور قومی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی اچھی طرح نمائندگی کی ہے اس میں اخوت اور آزادی کے خیالات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔''[۲۵]

جوش کاذاتی عزم، شدت جذبات اور انقلاب کا تصور کچھ ایسا ہے کہ وہ یہ مانتے ہوئے بھی کہ انقلابات معاشی اسباب اور اجتماعی وجود اور عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں، اکیلے ہی انقلاب لانے میں مصروف نظر آتے ہیں، اس سلسلے میں ان کے کچھ اشعار ملاحظہ کیجیے:

قسم اس جوش کی جو ڈوبتی نبضیں ابھارے گا   کہ اے ہندوستاں جس وقت تو مجھ کو پکارے گا
میری تیغ رواں باطل کے سر پر جگمگائے گی   تیرے ہونٹوں کی جنبش ختم بھی ہونے نہ پائے گی
پکاروں گا کلیم نو کو عصر حاضر سے   جو کہہ دوں گا اس کو دین وایماں کر کے چھوڑوں گا
تو نے شاعر سے اے غاصب حکومت کیا کہا   تو نہ مانے گا مجھے تو قتل کر دوں گی تجھے
قتل سے ڈر جاؤں گا اتنا سمجھتی ہے ذلیل   جا اور ایسی سوقیانہ قسم کی دھمکی نہ دے
لبِ حیات نے چھیڑا ہے   قصہ خونیں میری زبان کو اب رخصت کلام کہاں
چلا ہوں سر بکف اس سمت آج خود ہی   اب آبرو کو سر نامہ و پیام کہاں
ہاں بغاوت، آگ بجلی، موت، آندھی میرا نام   میرے گرد و پیش اجل میری جلو میں قتل عام
زرد ہو جاتا ہے میرے سامنے روئے حیات   کانپ اٹھتی ہے میری چیں جبیں سے کائنات
خود خدائے برتر و قہار سے افلاک پر   کی تھی میں نے گفتگو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
رعب سلطانی سے یہ چہرہ اتر سکتا نہیں   جو خدائی سے لڑے شاہی سے وہ ڈر سکتا نہیں[۲۶]

جوش کی ایک نظم" لمعات جوش" کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہوئے ہیں قوم کے سردار داخل زنداں   خدا کرے انھیں پہنچے نہ دشمنوں سے گزند
قصور یہ ہے کہ رکھتے ہیں دل میں قوم کا درد   یہ جرم ہے کہ ہیں بھارت کے نامور فرزند
بہت ہی طیش ہے اس بات پر حکومت کو   غلام ہو کے خیالات اس قدر رکھتے ہیں بلند
مگر یہ طرفہ تماشا ہے دید کے قابل   اسیر طوق و سلاسل ہیں خرم و خورسند
ہوئے ہیں قید تو پائی ہے اور آزادی   گلے گھٹے ہیں تو آواز ہو گئی ہے بلند
دعائیں مانگنے والے دعائیں مانگتے ہیں   ملے ہر ایک بہادر کو یہ مقام بلند[۲۷]

اپنی نظم" آثار انقلاب" کے آخر میں لکھتے ہیں:

اٹھو وہ صبح کا غرفہ ٹوٹا زنجیر شب ٹوٹی — وہ دیکھو پو پھوٹی غنچے کھلے پہلی کرن پھوٹی

ایسے ہی یاس اور امید کے ماحول میں جوش انقلاب کے منظر کو کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

کھیل ہاں اے نوع انساں سیاہ راتوں سے کھیل — آج اگر تو ظلمتوں میں پابجولاں ہے تو کیا
مسکرانے کے لیے بے چین ہے صبح وطن — اور چندے ظلمت شام غریباں ہے تو کیا
مٹھیوں میں بھر کے افشاں چل چکا ہے انقلاب — ابر غم زلف جہاں پر بال جنباں ہے تو کیا
سایہ افگن ہے ہیولا برق ایواں سوز کا — آج صرف باغ سلطاں خون دہقاں ہے تو کیا[۲۸]

جوش نے اپنے عہد کی سماجی جبریت سے قوم کو نجات دلانے کے لیے جو عزم کیا تھا وہ چاہے جذباتی کیوں نہ ہو لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ قوم کو پر وقار زندگی کے ساتھ شجاعت اور حریت کے جذبوں سے لبریز دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک آزادی کا انحصار انھیں عناصر پر تھا اس لیے انہوں نے اس کی مزید وضاحت یوں کی ہے:

نکلا فضا پہ صبح کا وہ نقرئی جلوس — گلبانگ طائر خوش الحاں لیے ہوئے
یہ رنگ کیا ہے کشور ہندوستاں کا آج — ہر ذرہ حقیر ہے بستاں لیے ہوئے
ان جالیوں پر مجبس تاریک پہ نہ جا — یہ جالیاں ہے جنبش مژگاں لیے ہوئے
ان کروٹوں کو اہل قفس کی سبک نہ جان — یہ کروٹیں ہیں موجہ طوفاں لیے ہوئے
ظاہر میں بزدلی ہے یہ درماندگی مگر — یہ بزدلی ہے جنگ کا ساماں لیے ہوئے
آزادیوں کے دیکھ رہا ہے لطیف خواب — زندانیاں عشق کو زنداں لیے ہوئے[۲۹]

جوش نے انگریزوں کی غلامی کا زمانہ عین عالم شباب میں دیکھا تھا، انگریز نے نفرت کا بیج بو کر فرقہ پرستی کو جس طرح ہوا دی اور آپس میں جس طرح لوگوں کو لڑایا، اس کے تمام مناظر انہوں نے دیکھے تھے۔ نفرت جو گل کھلاتی ہے اور غلامی افراد کی نفسیات کو جس طرح بدل دیتی ہے اس کا انھیں شدید احساس تھا۔ چنانچہ محبت کے خیال کو عام کرنے اور آزادی کے تصور کو پھیلانے کے لیے انہوں نے انقلاب کا پیغام دیا۔ جوش بڑے جذباتی شاعر تھے اس لیے ان کی انقلابی شاعری میں بھی جذباتیت نمایاں ہے اسی جذباتیت کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے انقلاب کا تصور اکثر ایک ہنگامہ بن کر رہ جاتا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی انقلابی شاعری میں بعض بلند معیار ملتے ہیں ان کا محرک خیر کا خیال ہے اپنی انقلابی شاعری میں وہ انھیں اقدار خیر کو عام کرنے کا پیام دیتے ہیں اور اس کے لیے عوام کو اکساتے ہیں۔ جوش کے خیال میں غلامی انسان کے لیے سب سے بڑی لعنت ہے ۔غلام قوم کے افراد میں کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی، اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا، اپنے مخصوص انقلابی انداز میں انہوں

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

نے اس خیال کا اظہار ایک نظم " غلاموں سے خطاب "میں کیا ہے، کہتے ہیں:

اکسائے میرا شعر گر جذبہ ہائے جنگ　　　پیدا ہوا آبگینے کے اندر مزاج سنگ
خرمن میں میرا اشعرا اگر کج کرے کلاہ　　　خس تند بجلیوں سے لڑانے لگے نگاہ
آہن کے جوہروں سے ٹپکنے لگے شراب　　　پیری کی ہڈیوں میں مچلنے لگے شباب
تجھ کو یقین نہ آئے گا اے دائمی غلام　　　میں جا کے مقبروں میں سناؤں اگر کلام
میرے رجز سے لرزہ بر اندام ہے زمیں　　　افسوس تیرے کان پر جوں رینگتی نہیں
تو چپ رہا زمیں ہلی آسماں ہلا　　　تجھ سے تو کیا خدا سے کروں گا میں یہ گلا
ان بزدلوں کے حکم پر شیدا کیا ہے کیوں　　　نامرد قوم میں مجھے پیدا کیا ہے کیوں　[۳۰]

بیداری سے جوش کی مراد زندگی کا صحیح شعور اور حالات کی صحیح نباضی ہے، جب تک نظام اقتدار کو صحیح طور پر نہ سمجھا جائے یہ بیداری بے معنی ہے۔ جوش بیداری کا یہ پیام اس لیے دیتے ہیں کہ افراد میں زندگی کے نظام کو سمجھنے کا احساس پیدا ہو۔ اس موضوع پر ان کی نظمیں " زوال جہاں بانی " اور " بغاوت " بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ان نظموں کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جوش گہرا سماجی شعور رکھتے تھے، وہ حالات کے بہت اچھے نباض تھے، تغیر کے فلسفے سے اچھی طرح واقف تھے، انسانی زندگی میں خیر اور شر کی جو آویزش جاری ہے اس کا انھیں اندازہ تھا۔ جوش کی قومی شاعری ان تمام خصوصیات کی حامل ہے اس میں وطن پرستی کا جذبہ ہے، ایک نظام حیات کو قائم کرنے کی آرزو ہے،، زلف گیتی کو سنوارنے کی تمنا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ جوش کی طبیعت کی مخصوص رومانیت اس قومی اور انقلابی شاعری میں جذباتی آہنگ کو جگہ جگہ ابھار دیتی ہے۔ جوش کی شاعری کی ارتقائی منازل کی نشان دہی اسلام بیگ چنگیزی نے تجزیاتی انداز میں بہت خوب کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

" جوش کی شاعری کا آغاز ایک رومان پسند نوجوان کے احساسات کے ساتھ ہوا لیکن تھوڑا ہی آگے بڑھ کر اس نے اپنے پورے ماحول کی نفسیات کا احاطہ کر لیا۔ ہماری تحریک آزادی کا پورا شعور، پورا جوش و خروش، پورا زور و شور اس کی شاعری کے اجزا بن گئے اور اس طرح جوش کی انقلابی گونج ہماری سیاسی تاریخ کا ایک جزو لاینفک قرار پائی۔"[۳۱]

جوش کی نظم "شکست زنداں کا خواب" ۱۹۲۱ء کی تخلیق ہے، یہ ایک ایسی نظم ہے جس میں اس دور کا پورا ہندوستان اپنی تمام ہنگامہ خیزیوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے گویا ۱۹۲۱ء تک جوش کے سیاسی اور انقلابی افکار وسعت اور پختگی اختیار کر چکے تھے۔ اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں نظم " زنداں کا گیت " منظر عام پر آئی، جس میں جوش کی شاعری فنی اور فکری پختگی کی مزید

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

منزلیں طے کرتی دکھائی دیتی ہے۔اس نظم میں معنی خیز اشاریت کا حسن اور انقلابی لب و لہجے کا ہمہمہ ملاحظہ ہو:

گو ہند آج باغِ جہاں میں ہے مثلِ خس — یہ خار و خس ہے سنبل و ریحان لیے ہوئے
ان جالیوں پہ مجلسِ تاریک کی پہ نہ جا — یہ جالیاں ہیں جنبشِ مژگاں لیے ہوئے
ان کروٹوں کو اہلِ قفس کی سبک نہ جان — یہ کروٹیں ہیں موجۂ طوفان لیے ہوئے
آزادیوں کے دیکھ رہا ہے لطیف خواب — زندانیانِ عشق کو زنداں لیے ہوئے
جوشِ اہلِ دل کے پاؤں کی زنجیر پہ نہ جا — یہ سلسلہ ہے زلفِ پریشاں لیے ہوئے [۳۲]

جوش کے ہاں قومی شاعری کا یہ سلسلہ اسی طرح ارتقائی مدارج طے کرتا رہا اور تحریک آزادی کے دوران رونما ہونے والے مختلف واقعات مثلاً جلیانوالا باغ، پنجاب کا مارشل لا، کانپور کا واقعہ، چوراچوری کا حادثہ وغیرہ جوش کی نظموں میں تابندہ ستاروں کی طرح جگمگاتے نظر آتے ہیں۔یہ نظمیں روشنی کے وہ مینار ہیں جو انگریزی مظالم کے اندھیرے میں وقتاً فوقتاً ابھر ابھر کر خوش آئند مستقبل کی طرف اشارہ کرتے رہے۔۱۹۲۴ء کے بعد ان کی شاعری میں انقلابی جوش و خروش نے کس کس طرح انگڑائیاں لیں،اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اس دور کی چند نظموں کا جائزہ لیتے ہیں۔۱۹۲۵ء میں تخلیق ہونے والی نظم ''زمانہ بدلنے والا ہے'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ستم شعار یہ انداز ساحری کب تک — رہے گی گرمیٔ بازار سامری کب تک
یہ طنطنے، یہ تحکم، یہ دبدبے تا چند — یہ نادری، یہ خدائی، یہ قاہری کب تک
یہ شغلِ ظالم، یہ آئینِ دل دہی تا کے — یہ مشقِ جور، یہ انداز دلبری کب تک — ٹھہر کہ
چرخ نئی چال چلنے والا ہے — سنبھل سنبھل کہ زمانہ بدلنے والا ہے [۳۳]

۱۹۲۵ء میں تخلیق ہونے والی نظم '' ضعیفہ'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اپنی تاب زر سے اے سرمایہ دار و ہوشیار — اپنے تاجوں کی چمک سے تاجور و ہوشیار
نیلم و یاقوت سے شعلے بھڑک اٹھنے کو ہیں — سرخ دیناروں میں انگارے دہک اٹھنے کو ہیں
فرشِ گل والو زمین پر لوگ محو خواب ہیں — خرمنوں کے پاسبانو بجلیاں بے تاب ہیں [۳۴]

۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۸ء کے درمیانی عرصے میں تخلیق ہونے والی ایک مشہور نظم ''آثارِ انقلاب'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قسم اس روح کی جو عرش کو رفعت سکھاتی ہے — کہ راتوں کو میرے کانوں میں یہ آواز آتی ہے

https://scholarinsightjournal.com/ ONLINE - ISSN- 3006-9785
Volume.3, Issue.2 (June-2025) PRINT - ISSN- 3007-245X

اٹھو وہ صبح کا غرفہ کھلا زنجیر شب ٹوٹی وہ دیکھو پو پھٹی ، غنچے کھلے پہلی کرن پھوٹی
اٹھو، چونکو، بڑھو، منہ ہاتھ دھو، آنکھوں کو مل ڈالو ہوائے انقلاب آنے کو ہے ہندوستان والو[۳۵]

۱۹۲۸ء میں تخلیق ہونے والی ایک نظم "علی گڑھ سے خطاب" میں جوش کی مغربی تہذیب سے نفرت کے جذبات ملاحظہ ہوں:

عاشق مغرب نگاہ شوق کے جادو بھی دیکھ اے سنہری زلف کے قیدی سیاہ گیسو بھی دیکھ
دیدہ ارزق کے شیدا دیدہ آہو بھی دیکھ سازِ بے رنگی کے بندے سوز و رنگ و بو بھی دیکھ
جسم تا کے روح لرزاں کے شرارے کو بھی دیکھ ٹیمز سے منہ موڑ کر گنگا کے دھارے کو بھی دیکھ پختہ
کاری سیکھ یہ آئین خامی تا کجا جادہ افرنگ پر یہ تند گامی تا کجا
سوچ تو جی میں یہ جھوٹی نیک نامی تا کجا مغربی تہذیب کا طوق غلامی تا کجا
مرد اگر ہے غیر کی تقلید کرنا چھوڑ دے چھوڑ دے اللہ بالاقساط مرنا چھوڑ دے [۳۶]

اسی زمانے کی ایک اور نظم "صدائے بیداری" کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

حقیقت کا کیا بتاؤں اس صدائے روح افزا کی نہاں ہیں جس کے اندر کاوشیں امروز و فردا کی
یہ مشرق محو ہے صبح تجلی زار ہونے میں بقید روح ایشیا مصروف ہے بیدار ہونے میں [۳۷]

۱۹۲۸ء تک جوش کی قومی اور انقلابی شاعری کا ارتقا مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کی پوری شاعری میں جوش کے یہاں یہی شعور اور یہی لب و لہجہ کہیں مدھم کہیں تیز سروں میں دکھائی اور سنائی دیتا ہے، البتہ کہنہ مشقی اور قادرالکلامی کے باعث کچھ زاویے مزید واضح اور مستحکم ضرور ہوئے ہیں۔ جوش نے قومی شاعری کی اس چنگاری کو شعلے میں بدل کر نئی نسل کے حوالے کیا جس کو کچھ عرصہ پیشتر حالی اور آزاد نے سلگایا تھا۔

اس تحقیقی مقالے کے نتائج اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ جوش ملیح آبادی کی قومی اور انقلابی شاعری محض وقتی سیاسی ردِّ عمل نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری نظام (Ideological Framework) کی نمائندہ ہے، جو استعمار مخالف شعور، قومی خود آگہی اور اجتماعی نجات کے تصورات سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ جوش نے اپنے عہد کے سماجی و سیاسی تناظر کو نہایت فکری بالیدگی کے ساتھ شعری اظہار میں ڈھالا اور اردو شاعری کو ایک فعال، مزاحمتی اور انقلابی جہت عطا کی۔ ان کے یہاں حب الوطنی ایک مجرد جذبہ نہیں بلکہ تاریخی شعور، تہذیبی شناخت اور انسانی وقار کے استحکام کا وسیلہ بن کر سامنے آتی ہے۔

مزید برآں، جوش ملیح آبادی کی فطرت نگاری محض جمالیاتی سطح تک محدود نہیں رہتی بلکہ علامتی اور استعاراتی نظام کے تحت قومی

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

بیداری، فکری تحرک اور انقلابی توانائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ان کی شاعری میں مشرقی اقوام کی زبوں حالی پر تنقیدی شعور کے ساتھ ساتھ سامراجی جبر کے خلاف فکری مزاحمت کی واضح جہات موجود ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جوش کی قومی و انقلابی شاعری اردو ادب میں نہ صرف ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ عصری تنقیدی مباحث، مابعد نو آبادیاتی (Postcolonial) مطالعات اور قومی بیانیے کے فکری تسلسل میں ایک مستند اور ناگزیر حوالہ تصور کی جاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جوش، ملیح آبادی، حرف و حکایت (دہلی: کتب خانہ رشیدیہ، س۔ن) ص ۶۱
۲۔ ایضاً ، ص ۳۷
۳۔ عصمت، ڈاکٹر، ملیح آبادی، مرتبہ، انتخاب کلام جوش (لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، ۲۰۰۲ء) ص ۸۴
۴۔ جوش، شعلہ و شبنم (لاہور مکتبہ اردو، ۱۹۴۳ء) ص ۹۹
۵۔ ایضاً ، ص ۵۱
۶۔ ایضاً ، ص ۵۶
۷۔ ایضاً ، ص ۱۰۲
۸۔ انتخاب کلام جوش، ص ۴۵
۹۔ شعلہ و شبنم ، ص ۲۷
۱۰۔ احتشام حسین، سید، پروفیسر، جوش ایک تعارفی مطالعہ، مشمولہ جوش نمبر، اکتوبر۔نومبر ۱۹۶۱ء، ص ۱۴۲
۱۱۔ شعلہ و شبنم ، ص ۶۵
۱۲۔ ایضاً ، ص ۳
۱۳۔ ایضاً ، ص ۲۳
۱۴۔ ایضاً ، ص ۸۳
۱۵۔ ایضاً ، ص ۱۳
۱۶۔ انتخاب کلام جوش، ص ۳۶
۱۷۔ جوش ملیح آبادی، حرف و حکایت، ص ۳۷
۱۸۔ شعلہ و شبنم ، ص ۱۹

https://scholarinsightjournal.com/
Volume.3, Issue.2 (June-2025)
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

۱۹۔ انتخاب کلام جوش، ص ۴۳

۲۰۔ شعلہ و شبنم ، ص ۱۳

۲۱۔ انتخاب کلام جوش، ص ۴۰

۲۲۔ شعلہ و شبنم ، ص ۲۴

۲۳۔ ایضاً ، ص ۴۹

۲۴۔ ایضاً ، ص ۷

۲۵۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، جدید شاعری، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۳ء، ص ۱۸۹

۲۶۔ شعلہ و شبنم ، ص ۷

۲۷۔ ایضاً ، ص ۲۳

۲۸۔ انتخاب کلام جوش، ص ۴۰

۲۹۔ شعلہ و شبنم ، ص ۷۶

۳۰۔ ایضاً ، ص ۴۰

۳۱۔ اسلام بیگ، چنگیزی، ایشیائی بیداری اور اردو شعرا، ادارہ انیس اردو، الہ آباد، ۱۹۶۱ء، ص ۵۲

۳۲۔ شعلہ و شبنم ، ص ۴۵

۳۳۔ ایضاً ، ص ۵۳

۳۴۔ ایضاً ، ص ۶۵

۳۵۔ ایضاً ، ص ۱۸

References

1. Josh Malihabadi. (n.d.). *Harf o hikāyat*. Kutub Khana Rasheedia.
2. Josh Malihabadi. (1943). *Sholāh o shabnam*. Maktaba-e-Urdu.
3. Ismat. (Ed.). (2002). *Intikhāb-e-kalām-e-Josh Malihabadi*. Uttar Pradesh Urdu Academy.
4. Hussain, S. I. (1961). Josh: Aik taʿārufī mutālaʿah. In *Josh Number* (October–November).
5. Barelvi, I. (1983). *Jadīd shāʿirī*. Educational Book House.
6. Chingizai, I. B. (1961). *Āshiyāʾī bedārī aur Urdu shuʿarā*. Idara Anis Urdu.